لغات واعرابِ قرآن (۴۳)
پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۲۸)

آیات ۴۰ — ۴۱

—— (گزشتہ سے پیوستہ) ——

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۲۸ : ۲ الاعراب

زیرِ مطالعہ قطعۂ آیات بنیادی طور پر سات جملوں پر مشتمل ہے جن میں آخری چھ جملے واو عاطفہ کے ذریعے باہم ملا دیئے گئے ہیں ۔ ذیل میں ان تمام جملوں کے اعراب الگ الگ بیان کیے جاتے ہیں ۔

(۱) یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ ۔

[یا] حرفِ ندا ہے اور [بنی اسرائیل] میں "بنی" منادی مضاف ہونے کی وجہ سے خفیف بھی اور منصوب بھی ۔ علامتِ نصب آخری یاء ماقبل

مکسور (۔ ِ ی) ہے اور " اسرائیل " مضاف الیہ (لھذا) مجرور ہے علامتِ جر آخری " لَ " کی فتحہ (۔َ) ہے کیونکہ یہ لفظ غیر منصرف ہے [اذکروا] فعل امر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر فاعلین "انتم" مستتر ہے (اور اس کی علامت واوالجمع ہے) [نعمتی] مضاف (نعمۃ) اور مضاف الیہ (یائے متکلم) مل کر فعل " اذکروا " کا مفعول منصوب ہے ۔" نعمۃ " کے یائے متکلم کی طرف مضاف ہونے کے باعث کوئی ظاہری علامت نصب نہیں (دراصل یہ " نعمۃَ " ہی تھا) ۔[التی] اسم موصول ہے جو کلمۂ "نعمۃ" کی صفت ہونے کے باعث محل نصب میں ہے اور مؤنث بھی ہے ۔

[انعمتُ] فعل ماضی معروف صیغہ واحد متکلم ہے جس میں ضمیر فاعل " اَنَا " مستتر ہے ۔[علیکم] میں " علی " تو فعل " انعمتُ " کا صلہ ہے اور "کم" مجرور بالجر (علی) ہے ۔ اس طرح " علیکم " (مفعول ہوکر) محلاً منصوب ہے اور چاہیں تو " علیکم " کو جار مجرور متعلق فعل سمجھ لیں ۔ یہاں " مُنْعِم " کا ذکر " انعمتُ " میں ہے اور " مُنعَم علیہ " کا ذکر ضمیر " کم " میں ہے اور درمیان میں " منعَم بہ " (یعنی " نعمۃ ") کے لئے ایک ضمیر (یعنی " بھا ") محذوف ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ (انعمت علیکم) اسم موصول (التی) کا صلہ ہے اور صلہ موصول (التی انعمت علیکم) " نعمتی " کی صفت ہے ۔

(۲) واوفوا بعھدی اوف بعھدکم

[و] عاطفہ ہے جس کے ذریعے اگلے فعل (اوفوا) کا عطف سابقہ فعل (اذکروا) پر ہے یا مابعد جملے کا سابقہ جملے پر عطف ہے ۔
[اوفوا] فعل امر معروف صیغہ جمع مذکر ہے جس میں ضمیر فاعلین " انتم " مستتر ہے [بعھدی] کی " بِ " تو فعل " اَوفُوا " کا صلہ ہے اور " عھدی " میں " عھد " مجرور بالجر (ب) بھی ہے اور آگے مضاف

بھی۔ آخری "ی" ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے یہاں بھی یائے متکلم کی وجہ سے لفظ "عھد" ظاہری علامت جر سے خالی ہے۔ اس طرح "بعھدی" فعل "اوفوا" کا مفعول (لھذا محلاً منصوب) ہے اور اسے جار مجرور متعلق فعل بھی کہہ سکتے ہیں۔ [اُوفِ] فعل مضارع معروف صیغہ واحد متکلم اور مجزوم ہے علامت جزم آخری "یاء" کا گر جانا ہے (یہ دراصل اُوْفِیْ تھا) اور جزم کی وجہ اس فعل کا جواب امر (اوفوا) ہونا ہے۔
[بعھدکم] کا اعراب بھی "بعھدی" کی طرح ہے۔ یعنی محلاً منصوب یا متعلق فعل ہے۔

(۴) وَ ایایَ فارھبونِ

[وَ] عاطفہ اور [ایایَ] ضمیر منصوب منفصل ہے جس کے بعد ایک فعل (ارھبوا) محذوف ہے جس کا یہ "ایایَ" مفعول ہے کیونکہ "ایایَ" کو فعل سے پہلے آنا چاہیئے [دیکھئے ۱:۴:۱(۱) میں قاعدہ] بعد والے فعل [فارھبونِ] میں "فَ" زائدہ برائے تاکید ہے اور "ارھبوا" فعل امر مع ضمیر فاعلین "انتم" ہے جس کا مفعول (منصوب) "نی" تھا (جو نون وقایہ + ضمیر متکلم منصوب "ی" تھا) اس میں یائے متکلم گر کر باقی "نِ" رہ گیا ہے۔ ضمیر منصوب منفصل (ایای) کو اس (دوسرے موجود) فعل "ارھبوا" کا مفعول منصوب نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس فعل کا مفعول منصوب "نی" (بصورت "نِ") موجود ہے۔ اس لئے نحوی حضرات پہلے مفعول (ایای) کے لیے ایک "اَور" فعل "ارھبوا" کو محذوف سمجھتے ہیں۔ گویا تقدیر عبارت (دراصل) تھی "وایایَ ارھبوا فارھبونی"۔ "ایایَ" کی تقدیم اور پھر فعل (محذوف اور مذکور) کی تکرار سے اس جملے میں حصر اور تاکید کے معنی پیدا ہو گئے ہیں یعنی "صرف مجھ ہی سے ڈرو (اور کسی اور سے مت ڈرو) اور مجھ سے ڈرو بھی ضرور (یہ نہیں کہ کسی غیر اللہ سے

نہ ڈرنے کے ساتھ اللہ کے ڈر سے بھی غافل ہو جاؤ" کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔

(۴) وَ آمنوا بما انزلت مصدقا لما معکم

[وَ] عاطفہ ہے جس کے ذریعے اگلے جملے کو پچھلے جملے سے (بلحاظ مضمون) ملایا گیا ہے [آمنوا] فعل امر معروف مع ضمیر فاعلین" انتم" ہے [بما] میں " بِ " تو فعل " آمِنوا " کا صلہ ہے اور " مَا " اسم موصول ہے جس میں مبنی بر الف ہونے کے باعث ظاہراً کوئی علامتِ اعراب (جر) نہیں ہے۔ [انزلتُ] فعل ماضی معروف مع ضمیر متکلم " انا " ہے اور یہ ایک مکمل جملہ فعلیہ (فعل مع فاعل) ہو کر موصول (ما) کا صلہ ہے۔ یہاں ایک ضمیر عائد (برائے اسم موصول) محذوف ہے یعنی یہ دراصل " انزلتہ " تھا۔ یہ صلہ موصول (بما انزلت) مل کر فعل " آمِنوا " کے مفعول ہونے کی حیثیت سے محلاً منصوب ہے [مصدقاً] اسم موصول " ما " یا اس کی طرف عائد ہونے والی محذوف ضمیر کا حال ہو کر منصوب ہے یعنی " میں نے اتارا (اس کو) مصدق ہوتے ہوئے" (یا اس حالت میں کہ وہ مصدق ہے) [لِما] میں لام الجر (ابتدائی) کا تعلق مصدِّق کے فعل (تصدیق) سے ہے بلکہ یہ " لام " (لِ) ایک طرح سے اضافتِ نکرہ کا کام دے رہا ہے اس لئے اس کا اردو ترجمہ " کا / کی " سے کیا جاسکتا ہے " مَا " اسم موصول ہے جو یہاں مبتدأ کا کام دے رہا ہے اور [معکم] میں " مَعَ " ظرف مضاف اور " کم " ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اور یہ (معکم) " ما " کے لیے قائم مقام خبر ہے (یا " ما " کا صلہ سمجھ لیجئے) اور یہ صلہ موصول (ما معکم) جملہ اسمیہ لام (لِ) کے ذریعے " مصدقاً " سے متعلق ہے اس طرح اس سارے حصۂ عبارت " مصدقاً لما معکم " کا لفظی ترجمہ ہونا چاہئے " تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے اس

کی جو تمہارے ساتھ ہے"۔ مگر اردو محاورہ میں حال کے ساتھ ترجمہ غیر مانوس لگتا ہے اس لئے بیشتر مترجمین نے اسے جملہ اسمیہ "ھومصدق لما معکم" کی طرح ترجمہ کر لیا ہے یعنی "سچ بتانے والی / سچا کرنیوالی "ما معکم" کی"۔ اور بعض نے "مصدقاً" کا ترجمہ فعل (یصدّق) کی طرح "تصدیق کرتا / سچا بتاتا / سچا کہتی ہے" کی صورت میں کیا ہے یہ سب محاورہ کی خاطر ہے۔ مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ تاہم اصل عربی ترکیب ذہن میں ہونی چاہئیے۔

(۵) ولا تکونوا اوّل کافر بہ۔

[وَ] یہاں بھی دو جملوں کو ملانے کے لیے عطف کا کام دے رہی ہے۔ اور [لاتکونوا] فعل نہی معروف صیغہ جمع مذکر ہے جس میں ضمیر فاعلین "انتم" مستتر ہے۔ جو یہاں فعل کان (ناقصہ) کی وجہ سے نحوی اصطلاح میں "اسم" کان ہے۔ اور اس کی علامت "لاتکونوا" کی (آخری) واو الجمع ہے [اوّلَ] کان (لاتکونوا) کی خبر (لہذا) منصوب ہے جس کی علامت نصب "لَ" کی فتحہ (ـَـ) ہے کیونکہ "اولُ" غیر منصرف ہے اور یہاں تو آگے مضاف بھی ہے (اس لئے بھی تنوین سے بری ہے) اور [کافرٍ] "اوّل" کا مضاف الیہ (لہذا) مجرور ہے۔ علامت جر تنوین الجر (ـٍـ) ہے۔ [بہ] جار مجرور (ب+ہ) مل کر "کافر" کے فعل (کفر یکفر) سے متعلق ہے (اور "باء" کَفَر کا صلہ بھی ہوتا ہے) اور یہاں یہ (بہ) بلحاظ ترکیب متعلق خبرِ کان (اولَ کافرٍ) ہے۔

(۶) ولا تشتروا باٰیٰتی ثمناً قلیلاً۔

یہاں بھی [وَ] دو جملوں کو ملانے (یا فعل "لاتشتروا" کو "لاتکونوا" پر عطف کرنے) کا کام دے رہی ہے۔ [لاتشتروا]

فعل نہی معروف صیغہ جمع مذکر ہے جس میں ضمیر فاعلین " انتم " مستتر ہے اور اس ضمیر کی علامت واو الجمع ہے ۔ [بآیاتی] میں باء الجر (بِ) کے بعد " آیات " مجرور بالجر نیز مضاف ہے اور آخری " یاء " ضمیر مجرور برائے واحد متکلم ہے ۔ یہ سارا مرکب جارّی (بآیاتی) متعلق فعل " لا تشتروا " ہے جو اس (فعل) کے مفعول سے مقدم (پہلے) آیا ہے ۔ [ثمناً قلیلاً] صفت (قلیلاً) اور موصوف (ثمناً) مل کر فعل " لا تشتروا " کا مفعول (لھذا منصوب) ہے ۔ گویا اصل ترتیب عبارت یوں تھی " ولا تشتروا ثمناً قلیلاً بآیاتی " جیسے کہتے ہیں " اشتریتُ کتاباً بکذا " (میں نے ایک کتاب اتنے میں خریدی) ۔

(۷) وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ

[وَ] یہاں بھی پہلے اور پچھلے جملے کو ملانے کے لئے " عاطفہ " ہے ۔ اور [اِیَّایَ] ضمیر منصوب منفصل ہے جو بعد میں آنے والے ایک محذوف فعل (اتقوا) کا مفعول ہے (ضمیر منصوب منفصل عموماً فعل سے پہلے آتی ہے) دیکھئے ۱:۴:۱(۱) ۔ اور [فاتقون] کی ابتدائی " فا " سببیہ ہے (یعنی " اس لئے " کا معنی دیتی ہے) اور " اتقوا " فعل امر مع ضمیر فاعلین " انتم " ہے اور " نِ " دراصل " نِیْ " (نون وقایہ + یائے متکلم) تھا جس کی " یاء " گرا کر نون کا کسرہ (ــِ) برقرار ہے اور یہ (نِ) فعل " اتقوا " کا مفعول ہے ۔ یہاں بھی ضمیر منصوب (منفصل اور متصل) کے دو بار آنے سے عبارت میں حصر اور تاکید کے معنی پیدا ہو گئے ہیں یعنی اوپر " جملہ ۳) میں " وایایَ فارھبون " کا سا مفہوم آ گیا ہے (دونوں تراکیب کی مماثلت پر غور کیجئے) ۔

۲:۲۸:۳ الرسم

زیر مطالعہ قطعہ آیات کے بھی بیشتر کلمات کا رسم املائی اور رسم عثمانی

یکساں ہے ۔ صرف چار کلمات ایسے ہیں جو رسم مصحف (عثمانی) کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہیں یعنی " یا بنی " ، " اسرائیل " ، " ایای " اور " بآیاتی " (یہاں ہم نے ان کلمات کو رسم املائی کے مطابق ہی لکھا ہے تاکہ رسم عثمانی کا فرق نمایاں ہوسکے) ان میں سے دو کلمات کا رسم عثمانی متفق علیہ ہے اور دو کا مختلف فیہ ہے ۔ تفصیل یوں ہے ۔

(۱) " یا بنی " کی ترکیب کو یہاں اور قرآن کریم میں ہر جگہ " یبنی " کی صورت میں لکھا جاتا ہے ۔ یعنی نداء کے " یا " کا الف کتابت میں حذف کر دیا جاتا ہے (اگرچہ پڑھا جاتا ہے اور اس کے لیے بذریعہ ضبط اس الف کو ظاہر کیا جاتا ہے) یہ علمائے رسم کا متفق علیہ فیصلہ ہے ۔ بلکہ عام قاعدہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ ندا کا " یا " محذوف الالف ہی لکھا جاتا ہے مثلاً " یموسی " ، " یآدم " ، " یایھا " وغیرہ میں ۔

(۲) اسی طرح " بایاتی " بھی یہاں اور قرآن میں ہر جگہ " بایتی " کی صورت میں یعنی " ی " کے بعد والے (اور " ت " سے پہلے والے) الف کے حذف کے ساتھ ___ لکھا جاتا ہے ۔ اور یہ الف بھی پڑھا جاتا ہے اور ضبط کے ذریعے اس کو ظاہر کرنے کے مختلف طریقے ہیں ۔

(۳) کلمہ " ایایَ " کا رسم مختلف فیہ ہے ۔ الدانی کے قول کو ترجیح دینے والے (مثلاً اہل لیبیا) اسے اسی طرح یعنی پہلی یاء کے بعد والے الف کے اثبات سے لکھتے ہیں (اس کا رسم املائی بھی باثبات الالف ہی ہے) ۔ برصغیر کے مصاحف میں بھی یہ اسی طرح باثبات الف (ایایَ) لکھا جاتا ہے جیسا کہ صاحب " نثر المرجان " نے تصریح کی ہے ۔ البتہ عرب اور (بیشتر) افریقی ممالک کے مصاحف میں اسے بحذف الف (بعد الیاء) یعنی بصورت " ایّیَ " لکھا جاتا ہے اور پھر مخصوص ضبط کے ذریعے اس کا تلفظ متعین کیا جاتا ہے یہ حذف الف غالباً ابوداؤد کے کسی قول پر مبنی ہے ۔

پاکستان کے صرف تجویدی قرآن میں مصری مصحف کی پیروی میں اسے بحذف الف لکھا گیا ہے ۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں " اِیَّاكَ " بالاتفاق اثبات الالف کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے ۔ اس مماثلت کو بھی "ایای" باثبات الف لکھنے کی دلیل سمجھا جا سکتا ہے ۔ اگرچہ " رسم " میں قیاس کو ہر جگہ بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

(۴) کلمہ " اسرائیل " میں ایک بات تو متفق علیہ ہے کہ آخری " ئیل " رسم عثمانی کے مطابق " ء یل " ہے ۔ بلکہ دراصل تو مصاحف عثمانی میں اسے صرف " یل " ہی لکھا گیا تھا ۔ ھمزہ کے لیے علامت (ء یا ع یا و وغیرہ) بلکہ " یار " کے (نیچے والے دو) نقطے بھی بہت بعد میں ایجاد کیے گئے ــــــ البتہ اس لفظ " اسرائیل " کے پہلے حصے میں " ر " کے بعد والے الف کے حذف اور اثبات میں اختلاف ہے ۔ یہاں بھی ابوداؤد سے حذف اور الدانی سے اثبات ثابت ہے ۔ بلکہ اہل علم نے اس میں حذف الف کو " اقلیت " (کم لوگوں) کا عمل قرار دیا ہے [۱] اس طرح یہاں بھی نہ صرف لیبیا بلکہ بیشتر افریقی ممالک مثلاً تونس، مراکش، نائیجیریا اور غانا کے مصاحف میں یہ لفظ اس الف (بعد الراء) کے اثبات کے ساتھ " اسرائیل " کی صورت میں لکھا جاتا ہے ۔ البتہ مصری، سعودی اور شامی مصاحف میں اسے بحذفِ الف (بعد الراء) لکھا گیا ہے یعنی بصورت " اسرءیل " ۔ پھر ضبط کے ذریعے اس الف کو ظاہر کیا گیا ہے ۔

● ایرانی، ترکی اور چینی مصاحف میں " یا بنی اسرائیل " اور " بآیاتی " لکھنے کا عام رواج ہے جو رسم عثمانی کی صریح خلاف ورزی ہے ۔

---

[۱] دیکھیے تلخیص الفوائد (شاطبیہ) ص ۵۲ نیز سمیر الطالبین (للضباع) ص ۳۸ اور نثر المرجان ج ۱ ص ۱۳۵

۴:۲۸:۲ الضبط

اس قطعہ کے کلمات میں ضبط کے اختلافات یا "تنوعات" مندرجہ ذیل نمونوں سے معلوم ہوں گے۔

• یٰبَنِیٓ ، یٰبَنِیٓ ، یٰبَنِیٓ / اِسۡرَآءِیۡلَ ، اِسۡرَآءِیۡلَ ، اِسۡرَآءِیۡلَ / اذۡکُرُوۡا ، اذۡکُرُوۡا ، اذۡکُرُوۡا / نِعۡمَتِیَ / الَّتِیۡۤ ، الَّتِیۡۤ ، الَّتِیۡۤ / اَنۡعَمۡتُ ، اَنۡعَمۡتُ ، اَنۡعَمۡتُ / عَلَیۡکُمۡ / وَاَوۡفُوۡا ، اَوۡفُوۡا ، اَوۡفُوۡا / بِعَهۡدِیۡۤ ، بِعَهۡدِیۡۤ / اُوۡفِ ، اُوۡفِ ، اُوۡفِ / بِعَهۡدِکُمۡ / وَاِیَّایَ ، اِیَّایَ ، اِیَّایَ ، اِیَّایَ / فَارۡهَبُوۡنِ ، فَارۡهَبُوۡنِ ، فَارۡهَبُوۡنِ / وَاٰمِنُوۡا ، اٰمِنُوۡا ، ءَامِنُوۡا / بِمَآ ، بِمَآ / اَنۡزَلۡتُ ، اَنۡزَلۡتُ ، اَنۡزَلۡتُ / مُصَدِّقًا ، مُصَدِّقًا ، مُصَدِّقًا / لِّمَا ، لِّمَا / مَعَکُمۡ / وَلَا ، لَا ، لَا / تَکُوۡنُوۡۤا ، تَکُوۡنُوۡۤا / اَوَّلَ ، اَوَّلَ / کَافِرٍۢ بِهٖ ، کَافِرٍۢ بِهٖ ، کَافِرٍۢ بِهٖ ، کَافِرٍۢ بِهٖ / وَلَا ، لَا / تَشۡتَرُوۡا ، تَشۡتَرُوۡا / بِاٰیٰتِیۡ ، بِاٰیٰتِیۡ ، بِـَٔایَٰتِی / ثَمَنًا ، ثَمَنًا /

قَلِیلاً ، قَلِیلاً ، قَلِیلاً ، قَلِیلاً / وَ اِیَّایَ اِیَّایَ / فَاتَّقُوْنِ ، فَاتَّقُوْنِ ، بَاتَّقُوْنِ۔

بقیہ: معارف التفسیر

اور تعزیوں کے جلوس میں شراب پی کر مرثیہ خوانی اور دھمال مچائی جاتی ہے۔ اس ناچیز نے آٹھ دس سال اس علاقہ میں عشرہ پر تقریریں کیں اور لوگوں کو اس فعلِ حرام سے بچا کر عشرۂ محرم منانے کی تلقین میں وقت صرف کیا' لیکن چند صالح مزاج لوگوں کے علاوہ اس بے ہودگی سے لوگ باز نہ آئے۔ میری عمر تھک گئی اور میں نے وہاں جانا بند کر دیا' مگر وہ بدعت ابھی تک جاری ہے۔

بہرحال اس آیت میں کافروں کا تعارف کراتے ہوئے کھیل کو دین بنانے کے عمل کو اولیت دی ہے اور انکارِ آیات کو آخر میں رکھا ہے۔ اس ترتیب سے شاہ صاحب کے ترجمہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ اس مقام پر مراد آخری اسٹیج والی معصیت ہے جس میں کھیل تماشے کو دین بنا لیا جاتا ہے۔ مفسرین نے لہو لعب کی جو تعریف کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لفظوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے:

"اَللَّھْوُ صَرْفُ الْھَمِّ بِمَا لَا یَحْسُنُ اَنْ یُصْرَفَ بِہٖ وَاللَّعْبُ طَلَبُ الْفَرَحِ بِمَا لَا یَحْسُنُ اَنْ یُطْلَبَ" (حاشیہ جلالین' ص ۱۳۳)

یعنی ناپسندیدہ کاموں میں مشغول ہونا لہو ہے اور ناپسندیدہ کاموں سے جی بہلانا لعب ہے۔ شاہ صاحب نے حسب ذیل آیت میں ترجمہ کیا:

مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّھِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَھُمْ یَلْعَبُوْنَ○ لَاھِیَۃً قُلُوْبُھُمْ (الانبیاء:۲-۳)

"کوئی نصیحت نہیں پہنچتی ان کو ان کے رب سے نئی مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے' کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے۔"

اس سلسلہ میں ایک مشہور حدیث ہے: "مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ" یعنی اسلام اور ایمان کا کمالِ حسن یہ ہے کہ انسان بے مقصد اور فضول باتوں سے دور رہے!!